کربلا سے کوفے تک حادثات کی نوعیت

فخر وطن جناب سید کلب مصطفیٰ صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ

بیادر کربلا تا آں ستم کش کارواں بینی
کہ دردے آدم آل عبا را سارباں بینی
نہ باشد کارواں رابعد غارت رخت وکالائے
زبار غم بود گر ناقہ را محمل گراں بینی
نہ بینی ہیچ برسر خازنان گنج عصمت را۔
مگر درخارو بن ہا تاروپودتیلیاں بینی
ہمانا سیل آتش بردہ بنگاہ غریباں را
کہ ہر جاپارۂ از رخت وموجے از دخاں بینی

کیا تعجب جو انہیں زہرہ گداز واقعات کے تصور سے ۶۱ھ کا ہلال ماہ محرم افق کربلا پر رندھا رندھا اور اداس نکلا ہو اور محو حیرت ہو کر پیش آنے والے حادثات وسوانح کو اس نے کبھی کھلے بندوں اور کبھی پردۂ آفتاب میں چھپ کر دیکھا ہو اور ہلال محرم ہی پر کیا منحصر ہے کائنات کربلا کے ہر ثابت و سیار نے کسی نہ کسی منزل پر ان شدائد ومصائب کو دیکھا جن کی نظیر تاریخ نہیں پیش کر سکی۔ وہ شطِ فرات پر خیام اہلبیت رسولؐ کا نصب ہونا اور اکھاڑا جانا وہ یزیدی فوجوں کا فوج درفوج آنا، وہ حق پرستوں کا کڑی چوکیوں کو توڑ کر امامؑ کے قدموں پر اپنے سروں کو ڈال دینا، وہ تاحد امکان یہ تحفظ اصول۔ امامؑ کا صلح کے لئے جدو جہد رہنا، وہ ساتویں سے خانوادۂ رسولؐ پر پانی بند کر دیا جانا، وہ نویں کی شام کو فرزند مولا علی حضرت ابوالفضل العباسؑ کا بحکم امامؑ تن تنہا جا کر فوج مخالف سے آمادگی جنگ کا سبب پوچھنا، وہ امامؑ کا عبادت الٰہی کے لئے ایک شب کی مہلت مانگنا اور وہ اسی شب عاشور کو حسینؑ کا شمع گل کر کے اپنے فدائیوں کو چلے جانے کا مشورہ دینا مگر ان میں کسی ایک کے پائے ثبات میں جنبش نہ آنا۔

یہ وہی شب تھی جب کسی خیمے میں شجاعت کے سکے دلوں پر بٹھانے کے لئے ہتھیاروں پر صیقل ہو رہی تھی اور کسی میں رضائے الٰہی کی سند حاصل کرنے کے لئے تسبیح وتحلیل۔ کسی خیمے میں فداکاری کا جذبہ پیدا کیا جا رہا تھا اور کسی میں اگلے روز نذر اسلام کرنے کے لئے کوئی ہدیہ نہ ہونے پر آہ وزاری، کہیں بچوں کے جاہ ومنصب پالینے کے مرحلوں کو سعادت۔ شہادت حاصل کرنے کے والوں میں تبدیل کرنے کے لئے فصاحت و بلاغت کے چشمے ابل رہے تھے اور کہیں یہ سن کر کہ بنت زہراؑ کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ جاں نثاران حسینؑ نیاموں کو آگ میں جھونک کر برہنہ تلواریں لئے کربلا کی شہزادی سے مطالبہ کر رہے تھے کہ ”وفاداری کی سند دیجئے۔ یا یہ اجازت کہ ہم اپنا گلا اپنے ہی ہاتھوں کاٹ کر سر رہیں۔

بہر حال یہ ہولناک شب، یہ ڈراؤنی شب۔ یہ زہر گداز شب، یہ روح فرسا شب، یہ بے مثل و بے عدیل شب گذر گئی اور وہ انقلاب درآغوش روز عاشور نمودار ہو گیا جس کا آفتاب نکلا تو تکبیر وتسبیح کی دل آویز صداؤں میں مگر ڈوبا نالہ وشیون کی دل گداز آوازوں میں۔علی اکبرؑ نے اذان دی۔مکبر نے تکبیر کہی۔ فدائیوں نے صفیں باندھیں اور حسینؑ وانصار حسینؑ نے اسی طرح فریضۂ نماز فجر ادا کیا جس طرح وہ منزل امن وسکون میں ادا کرتے۔ ظہر تک ناصران حسینؑ نے بے جگری دینداری اور

وفاداری کے وہ مظاہرے کئے اورفوج یزید نے بزدلی بے دینی اور دنیاداری کے وہ نمونے پیش کئے جوچشم فلک نے کبھی نہ دیکھے تھے اور یہ مظاہرہ توفقید المثال ہے کہ حسینؑ کی اجازت اور آپ کی بیچارگی اور کم لشکری کے باوجود آپ کو چھوڑ کر ایک نہ گیا۔ مگر یزید کی قوت و طاقت اور اس کی دولت وثروت کوٹھکرا کر حرؑ جری ادھر سے حسینؑ کی طرف کھلے خزانے آ گیا۔ پھر تو جنگ کی وہ گھما گھمی رہی کہ خدا کی پناہ۔ مگر اس عالم میں بھی نماز ظہر ادا کی گئی نماز ظہر کے وقت لشکر اسلام حقیقی کم تعداد میں ہونے پر بھی بھرا بھرا سا تو تھا مگر عصر کے ہنگام میں یکسر خالی۔ صبح کوز ہیر ابن قین بھی تھے اور حبیب ابن مظاہر بھی۔ مسلم ابن عوسجہ بھی تھے اور نافع ابن ہلال بھی عونؑ ومحمدؑ بھی تھے اور پسران مسلم بھی۔ غرض سبھی تھے اور شام کو دیکھئے تو۔

نہ لشکر ہے نہ سپاہے نہ کثرت الناسے
نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ نہ عباسؑ!

حتٰی کہ چھ مہینے کا علی اصغرؑ بھی باپ کی گود میں تیر ستم کھا کر ایک معصوم مسکراہٹ کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ مگر حسینؑ تو تھے اور ان کے باوجود اہلبیتؑ اطہار کے لئے ایک بڑا سہارا تھا۔ بہت بڑا سہارا۔ زینبؑ مطمئن تھیں کہ حسینؑ کے جیتے جی اہل حرم محفوظ ہیں۔ سکینہؑ زیادہ سراسیمہ و پریشان نہ تھیں کہ چچا نہیں باپ تو موجود ہے۔ لیلٰی اور ربابؑ راہ خدا میں سب کچھ قربان کر دینے کے بعد بھی سمجھتی تھیں کہ وارث نہ سہی والی تو سر پر ہے اور فضہ پرامید تھیں کہ گود کا پالا اور پیری کا سہارا تو باقی ہے لیکن جب امام حسینؑ رخصت آخر کے لئے خیمے میں تشریف لائے تو ہر آس ٹوٹ گئی اور یہ آخری سہارا بھی جاتا رہا۔ پھر تو ایک بیمار اور اسی بیمار کے ایک ننھے فرزند محمد باقر علیہ السلام کے علاوہ مردوں میں کوئی باقی نہ رہ گیا۔ اب کیا تھا پہلے لاشہائے شہداء کو پامال کیا گیا اور پھر گھوڑوں کی لگا میں خیام اہلبیت کی طرف پھیر دی گئیں۔

ذرا یہ گردش روزگار تو دیکھئے کہ ابھی کربلا میں ان کے داخلے کو پورا ایک عشرہ بھی نہ ہوا تھا کہ زمین وآسمان بدل گئے۔ آسمان اتنی دوری پر ہوتے ہوئے بھی باران ظلم کی شدت کے اعتبار سے گویا زمین کے قریب آ گیا تھا اور زمین پاؤں کے نیچے ہوتے ہوئے بھی منزلوں دور غربت اور مسافرت تو خیر ورود کربلا کے وقت بھی شریک حال تھی اور اب بھی لیکن اس وقت اس زمین پر تزک واحتشام سے نہ سہی عزت واحترام سے تو اترے تھے۔ عباسؑ بن علی نے پردے کا اہتمام کیا ہوگا۔ پسران عقیل نے عماریوں کو بٹھایا ہوگا۔ علی اکبرؑ نے بازو تھام کر بی بیوں کو اتارا ہوگا۔ لیکن آج تو یہ اپنے پیاروں۔ لاڈلوں، گود کے پالوں اور اپنے اپنے سرتاجوں کو ارض نینوا کے حوالے کر کے نامعلوم مقام اور اجنبی راہوں کی طرف قیدی بنے کھچے جا رہے تھے۔ نہ کجاوہ تھا نہ عماری، نہ پردہ تھا نہ سواری، نہ قاسمؑ تھے نہ علی اکبرؑ، نہ عباسؑ تھے، نہ عونؑ ومحمدؑ! بس ایک سیل انقلاب تھا جو تمام انسانی قدروں کو اپنی رو میں بہائے لئے جا رہا تھا۔ حتی کہ لاشہائے مقتولین بھی بے گور وکفن پڑے ہوئے تھے۔

حرم رسولؐ کا یہ لٹا ہوا قافلہ بلاؤں پر بلائیں اور مصیبتوں پر مصیبتیں جھیلتا ہوا۔ کہاں کہاں سے گذرا کس کس مقام پر ٹھہرا اور کربلا سے کوفے اور پھر کوفے سے دمشق کس تباہی و بربادی کے عالم میں پہنچا بازاروں میں کیوں کر پھرایا گیا۔ درباروں میں کس عنوان سے لایا گیا۔ قید و بند کا زمانہ کب ختم ہوا۔ کب رہائی ملی۔ کس طرح اور کتنے دنوں بعد مدینے پہنچا، یہ سب ایک طویل افسانہ اندوہ والم ہے، نہ سن سکنے اور نہ سنائے جا سکنے کا۔ مگر یہ اندھیر کیا کم روح فرسا تھا کہ کوفہ جو کبھی حضرت علیؑ کا دارالخلافہ تھا۔ جہاں خود جناب زینبؑ کا گھر مرجع مساکین واہل حاجت تھا اس کے بازاروں میں آج علیؑ کی بیٹی زینبؑ تھی اور تماشائیوں کا ہجوم! ایسے محل پر ہوش وحواس کو قائم اور اپنے کو قابو میں رکھنا بھی ایک بڑا کارنامہ ہوتا۔ چہ جائیکہ مخالف مجمع کو خطاب کرنے کا حوصلہ! اور محل شناسی وباحواسی کا مظاہرہ۔ مگر اللہ رے بنت حیدرؑ کا رعب وجلال اور دختر زہراؑ کا سکون واطمینان کہ تقریر شروع کرتے

وقت ہاتھ کے پروقار اشارے پر دف کی آوازیں رک گئیں۔ تماشائیوں کی سانسوں کی آمدوشد بند ہوگئی اور سننے والے بے اختیار ہوگئے۔ اس موقع پر فاطمہؑ کی بیٹی حسینؑ کی بہن نے محل شناسی و باحواسی کی جو مثال قائم کی اور جس طرح تبلیغ حق کی اس کی نظیر ملنا محال ہے نظیر ہے لیکن اسی مخدرۂ علیا کے ان خطبوں میں جو ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں زبان حقیقت ترجمان پر جاری ہوئے، بازار کوفہ میں حضرت زینبؑ نے جو خطبہ فرمایا۔ اس میں مجاہدانہ شان بھی تھی اور مبلغانہ شکوہ بھی، روانی بھی تھی اور زور بھی، سلاست بھی تھی اور فصاحت بھی۔ دلیری بھی تھی اور تمکین بھی۔ آہِ جگرخراش بھی تھی اور تنبیہ حق کوش بھی۔

''اے کوفیو! اے مکارو! سنو!

اب کیا رو رہے ہو، اور جی بھر کے روؤ! ہمیشہ عذاب میں رہو گے۔ تم اپنے دامن سے یہ دھبّہ دھو نہیں سکتے۔ سمجھتے ہو کہ تم نے کس کو قتل کیا ہے؟ کس کا خون بہایا ہے؟ اور رسولؐ کے کس لختِ جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے؟ تم نے اس کو قتل کیا ہے جو سردار جوانانِ جنت تھا اور تمہارے لئے منارۂ راہ اور شمع ہدایت۔ اس پر تعجب نہ کرو کہ آسمان سے خون برسا۔ ڈرو عذاب آخرت سے جو اس سے بھی زیادہ عظیم ہے۔ وہ تو تمہیں اور زیادہ رسوا کرے گا۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں تم اس عذاب کے مستحق نہ ہو جو اہل ارم پر نازل ہوا تاخیر عذاب کی وجہ سے اپنی بداعمالی کو سبک نہ سمجھو۔

''اے گروہ بدبخت و بدنصیب!

جو دم گذرتا ہے قدرت کی ڈھیل اس کو سمجھ یا کمال قہر و غضب کی دلیل اس کو سمجھ۔ پناہ مانگ، یہ فرصت کی وہ درازی ہے، جو کار آخر تنبیہ بے نیازی ہے۔

بازار کوفہ سے ناکردہ مظلوموں کا یہ قافلہ کشاں کشاں دربار ابن زیاد میں اس شان سے لے جایا گیا کہ آگے آگے نیزوں پر شہدائے کربلا کے سر تھے اور پیچھے پیچھے اہل بیت رسولؐ۔ اس دلدوز منظر کا تصور کتنا بھیانک ہے کہ ایک طرف تو یہ ستم رسیدہ اہلبیت نبوی رسیوں میں بندھے کھڑے ہیں اور دوسری طرف ابن زیاد فتح و کامرانی کے نشے میں چور، اعیان و عمال سلطنت کے ساتھ بیٹھا ہوا مصروف شادمانی۔ ادھر علیؑ کی بیٹیاں کنیزوں کی شکل میں بالوں سے منھ چھپائے کنبے کی دوسری بی بیوں کے جھرمٹ میں ہوں اور ادھر ابن مرجانہ گناہوں کا سیاہ غازہ چہرے پر ملے ہوئے درباریوں کے جمگھٹ میں۔ وہ تو قید و بند میں بھی مطمئن اور راضی بہ رضا تھیں گو اس کا ضمیر باوصف اقتدار و جبروت غیر مطمئن منتقم حقیقی کے جلال انتقام سے غافل پندار حکومت میں سرمست۔ مرجانہ کا بیٹا۔ امام کے لب و دندان سے بے ادبی کر رہا تھا اور اہلبیتؑ سے طعن و تشنیع کے لہجے میں مخاطب تھا لیکن یہ سرمستی، یہ پندار اور یہ گستاخی مجروح ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ صحابی رسولؐ زید بن ارقم نے سر دربار ٹوک دیا ''ابن زیاد! کیا کر رہا ہے، ارے یہ وہی لب دندان تو ہیں جسے رسولؐ بوسے دیتے تھے'' اور دربار سے نکل کر فرمایا ''اے لوگو! آج سے تم انسانوں کے غلام ہو گئے'' رسولؐ کی نواسی نے یوں تنبیہ فرمائی۔ ''میں نے تو الحمدللہ اچھا ہی اچھا دیکھا تجھے البتہ حشر میں معلوم ہو جائے گا کہ کامیاب کون ہوا'' اور سید سجادؑ نے فرمایا ''ہاں میرے ایک اور بھائی علی تھے مگر ان کو خدا نے نہیں لوگوں نے قتل کر دیا۔'' البتہ اس اعتبار سے تیرا یہ قول کہ انہیں اللہ نے قتل کیا درس ہوسکتا ہے کہ روح انسانی حکم خدا ہی سے قبض ہوتی ہے'' یہ جرأت و بیباکی اور یہ ہمت و استقلال ابن زیاد کی قوت استبداد کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اس نے حکم دیا ''انہیں قتل کردو'' بس یہ سننا تھا کہ زینبؑ دوڑ کر بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا ''تو مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کردو'' سید سجادؑ نے کہا ''پھوپھی آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور اس کا جواب دینے دیجئے'' پھر امامؑ نے ابن زیاد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''تو مجھے موت سے ڈراتا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ قتل کیا جانا ہماری قسمت اور شہادت ہماری سعادت ہے۔''

اسی طرح مسجد کوفہ میں ابن زیاد کی بدتمیزیوں اور زبان

درازیوں پر ایک نابینا بوڑھے شیر عبداللہ ابن عفیف نے للکار کر کہا ''اومرجانہ کے بیٹے تو جھوٹا اور تیرا باپ جھوٹا اور وہ بھی جھوٹا جس نے تجھ کو حاکم بنایا ایک تو فرزند رسولؐ کو تو نے قتل کیا اور اب طعن و تشنیع کے نشتر ان کے عزیزوں کے دلوں میں چبھوتا ہے'' یہ حرف سن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہوگیا، پوچھا یہ گستاخ کون ہے؟ جناب عبداللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ''میں ہوں عبداللہ بن عفیف'' اس جواب سے ابن زیاد اور بھی نعل در آتش ہوا اور حکم دیا کہ ان کو گرفتار کرلیا جائے۔

عبداللہ ابن عفیف آل رسولؐ کی طرح بے یار و مددگار تو تھے نہیں کہ بس ابن زیاد کی جنبش لب پر گرفتار کر لئے جاتے۔ آپ کے قبیلہ از د کے لوگ آپ کو مسجد سے نکال لے گئے اور بہ عافیت گھر پہنچا دیا۔ بظاہر تو بات آئی گئی ہوگئی تھی مگر استبداد۔ جرأت و ہمت کے اس دلیرانہ اقدام کو بھلا کیوں کر انگیز کرسکتا اور باطل اس حق گوئی کو کیسے برداشت کرسکتا تھا اپنی مذمت کو مٹانے، عوام پر رعب جمانے۔ حق گوئی و آواز گفتاری کی سزا دینے کے لئے ابن زیاد نے فوج کا ایک دستہ بھیجا کہ عبداللہ ابن عفیف کو گرفتار کر لائے۔ عبداللہ کے قبیلے والوں کو خبر ہوئی تو وہ ان کی حمایت میں تلواریں سونت کر آپہنچے اور فوجی دستے کو واپس جانا پڑا اب کی ایک اور بڑا دستہ بھیجا گیا۔ جس نے عبداللہ کے حمایتوں کو شکست دے کر مکان کا محاصرہ کر لیا۔ گھر میں صرف ایک صاحبزادی تھی۔ آپ شمشیر بکف باہر نکلے تو یہ صاحبزادی کوٹھے پر چڑھ گئیں اور وہاں سے باپ کو پتہ دیتیں اور بتاتی جاتی تھیں کہ ''بابا دشمن اب داہنے پر ہے، اب بائیں پر، اب سامنے ہے اور اب پیچھے۔'' عبداللہ ابن عفیف! اپنی باہمت صاحبزادی کی آواز پر تلوار چلاتے اور مخالفوں کو کیفر کردار پہنچاتے تھے یہاں تک کہ آپ نے بیسوں مشرکوں کو فی النار فرمایا اور بعد کو خود بھی شہید کر دیئے گئے۔

شمشیر زنی کے ساتھ آپ فرماتے جاتے تھے کہ ''میں تو اپنی بینائی کھو دینے کے بعد کف افسوس ملا کرتا تھا کہ اب مجھے جہاد کا موقع کاہے کو ملے گا اور شہادت کا شرف بھلا کیا نصیب ہوگا لیکن شکر ہے کہ آج حمایت حق میں جاں نثاری کا یہ موقع مجھے مل گیا اور یہ سعادتیں مجھے نصیب ہوگئیں۔''

طنطنۂ و جرأت اور حق گوئی وراست بازی کے ان مظاہروں کے سامنے دولت وثروت کی قوت، ابن زیاد کا پندار اور یزید کی فرعونیت دم بہ خود اور سر در گریباں تھی اور شیطنت و عدوان کے مقابلے میں انسانیت وانصاف سربلند!

اور اب دنیائے انسانیت جس کا کلمہ پڑھتی ہے وہ حسینؑ ہیں اور بس۔

آں امام عاشقاں پور بتولؑ	سرو آزادے زبستان رسولؐ
تا قیامت قطع استبداد کرد	موج خون او چمن ایجاد کرد
نقش الّا اللہ بر صحرا نوشت	سطر عنوان نجات ما نوشت
تار ہا از زخمہ اش لرزاں ہنوز	تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صباوے پیک دور افتادگاں	اشک ما بر خاک پاک او رساں

(ماخوذ از رضا کار لاہور سید الشہداؑ نمبر ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ/اگست ۱۹۵۵ء صفحہ نمبر ۱۵۰ر تا ۱۵۲ر)

قطعات

شاعر حسینیت سید محمد اطہر صاحب زائرؔ سیتاپوری

جانِ علیؑ کے واسطے کوئی بلا بلا نہ تھی
عظمت حق کی شان تھی منزل نینوا نہ تھی
ترکش جور اُدھر تھی، رُخ تھا اِدھر ٹھہر رہا
ظلم تو انتہا پہ تھا صبر کی انتہا نہ تھی

اللہ ری شان جانسوزی، کونین کی محفل روشن ہے
ہر موج دریا روشن ہے، دامان ساحل روشن ہے
یہ مقتل ہے، پھر کوفہ ہے، پھر شام ہے، پھر سارا عالم
ہاں شمع تو ہے خاموش پڑی، لو منزل منزل روشن ہے